الرسالہ
Al-Risāla

June 2002 • No. 307 • Rs. 10

اپنے حصہ کی غلطی کا اعتراف کر لینا ـــــ کسی مسئلہ کے
حل کی طرف پہلا کامیاب قدم ہے۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- تذکیر القرآن (مکمل)
- مطالعۂ سیرت
- اسباق تاریخ
- تعمیر حیات
- تعمیر انسانیت
- سفر نامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
- سفر نامہ غیر ملکی اسفار، جلد دوم
- اسلام: ایک تعارف
- اللہ اکبر
- پیغمبر انقلاب
- مذہب اور جدید چیلنج
- عظمت قرآن
- عظمت اسلام
- عظمت صحابہ
- دین کامل
- الاسلام
- ظہور اسلام
- اسلامی زندگی
- احیاء اسلام
- راز حیات
- صراط مستقیم
- خاتون اسلام
- سوشلزم اور اسلام
- اسلام اور عصر حاضر
- الربانیۃ
- کاروان ملت
- حقیقت حج
- اسلامی تعلیمات
- اسلام دور جدید کا خالق
- حدیث رسول
- راہ عمل
- تعبیر کی غلطی
- دین کی سیاسی تعبیر
- عظمت مومن
- اسلام: ایک عظیم جدوجہد
- تاریخ دعوت حق
- مطالعہ سیرت (کتابچہ)
- ڈائری (جلد اول)
- کتاب زندگی
- اقوال حکمت
- تعمیر کی طرف
- تبلیغی تحریک
- تجدید دین
- عقلیات اسلام
- قرآن کا مطلوب انسان
- دین کیا ہے؟
- اسلام دین فطرت
- تعمیر ملت
- تاریخ کا سبق
- فسادات کا مسئلہ
- انسان اپنے آپ کو پہچان
- تعارف اسلام
- اسلام پندرہویں صدی میں
- راہیں بند نہیں
- ایمانی طاقت
- اتحاد ملت
- سبق آموز واقعات
- زلزلہ قیامت
- حقیقت کی تلاش
- پیغمبر اسلام
- آخری سفر
- اسلامی دعوت
- حل یہاں ہے
- امہات المومنین
- تصویر ملت
- دعوت اسلام
- دعوت حق
- نشری تقریریں
- دین انسانیت
- فکر اسلامی
- شتم رسول کا مسئلہ
- طلاق اسلام میں
- مضامین اسلام
- حیات طیبہ
- باغ جنت
- نار جہنم
- سچا راستہ
- دینی تعلیم
- خلیج ڈائری
- رہنمائے حیات
- تعدد ازواج
- ہندستانی مسلمان
- روشن مستقبل
- صوم رمضان
- اسلام کا تعارف
- علما اور دور جدید
- سفر نامہ اسپین و فلسطین
- مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
- سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
- یکساں سول کوڈ
- اسلام کیا ہے؟
- میوات کا سفر
- قیادت نامہ
- منزل کی طرف
- اسفار ہند
- ڈائری ۹۰-۱۹۸۹
- قال اللہ و قال الرسول
- ڈائری ۹۲-۱۹۹۱
- مطالعۂ قرآن
- مذہب اور سائنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risala

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خان

صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-13
Tel. 435 6666, 435 1128
Fax: 435 7333, 435 7980
email: info@goodwordbooks.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 10
One year Rs. 110. Two years Rs. 200
Three years Rs. 300. Five years Rs. 480
Abroad: One year $10/£6 (Air Mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
434, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info @ ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
Al-RISALA FORUM INTERNATIONAL
5801 SW 106th Ave,
Cooper City, FL 33328 U.S.A.
Tel. (954) 4358404, Fax: (954) 4342551
e-mail: kaleem@alrisala.org

Printed and published
by Saniyasnain Khan on behalf of
the Islamic Centre, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

الرسالہ، جون 2002

فہرست

ذہاب العلماء	2
جنت کا ٹکٹ	5
لائن آف ایکشن کا مسئلہ	6
بامقصد انسان کا کردار	9
کام کا صحیح طریقہ	12
غلط فہمی	16
دہشت گردی کیا ہے	18
ہائی جیکنگ ایک جرم	20
آگ کو بجھانا، نہ کہ بھڑکانا	24
اصل سبب جہالت	26
خطوط	28-34
خبرنامہ اسلامی مرکز ۱۵۴	35-45

ذہاب العلماء

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ایک ممتاز مسلم رہنما اور ایک مستند عالم دین تھے۔ وہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو دربھنگہ میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف اعلیٰ حیثیتوں کے ساتھ اسلام اور ملت اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ اپنی آخری عمر میں وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے چیئر مین تھے۔ ۴ اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ إنا للّٰہ وإنا الیہ راجعون۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی موت دور آخر کے اس ظاہرہ کی ایک مثال ہے جس کو حدیث میں ذہاب العلماء کہا گیا ہے۔ یعنی علماء کا چلے جانا یا علماء کا اُٹھ جانا۔ عام طور پر اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ علماء ایک کے بعد ایک مرجائیں گے اور پھر کوئی عالم دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں علماء سے مراد اجتہادی صلاحیت کے علماء ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس حدیث میں علماء سے مراد بلند پایہ علماء ہیں۔ تاہم اس کا مطلب سادہ طور پر بلند پایہ علماء کی رحلت نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ملت کے بلند پایہ افراد کا علماء کی صف میں شامل نہ ہونا ہے۔ یعنی علماء بننے کے قابل لوگ علماء بننا چھوڑ دیں گے۔ اس سے مراد اشخاص کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ دور کا خاتمہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی حدیثیں صنعتی دور میں پیدا ہونے والے حالات کی پیشین گوئی ہیں۔ صنعتی دور میں ترقی کے مواقع اور مادی چمک دمک بہت بڑھ جائے گی، اس بنا پر دنیا کی طرف رغبت (temptation) میں اتنا زیادہ اضافہ ہوجائے گا کہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ دنیوی شعبوں کی طرف بھاگنے لگیں گے۔ اس صورت حال کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فریب جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اُٹھا پایا

خیارکم فی الجاهلية خيارکم فی الاسلام کے مطابق، اعلیٰ صلاحیت کا آدمی ہی اعلیٰ عالم بنتا ہے۔ جب اعلیٰ اذہان دین کی طرف راغب نہ ہوں گے تو فطری طور پر یہ ہوگا کہ دین کی صفیں

اعلیٰ قسم کے علماء سے خالی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد صرف وہ لوگ دینی شعبوں اور دینی اداروں کو مل سکیں گے جو اپنی کم تر صلاحیت کی بنا پر مادی ترقی کے بڑے مناصب میں اپنی جگہ بنانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔ وہ تقریر اور تحریر، انتظام اور معاملہ فہمی، بصیرت اور تدبر میں اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ وہ اگر سیکولر ڈگری اور سیکولر پروفیشن کو اپنا میدان بناتے تو یقیناً وہ بڑے بڑے دنیوی مناصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ اس طرح یہ ذہاب العلماء کا ایک واقعہ ہوتا۔ مگر انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت کو اسلام اور ملت اسلام کی خدمت میں لگانے کو ترجیح دی۔ دنیا کے مادی بازار میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بڑی قیمت لینے کے بجائے قناعت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر دیا۔ وہ ایک ایسے عالم بن گئے جنہوں نے مادی ترقی کے حصول کو اپنا نشانہ نہیں بنایا۔ انہوں نے دنیا کی طرف جانے کے بجائے دین کی طرف جانے کو اپنی توجہات کا مرکز بنالیا۔

وہ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنی اعلیٰ فطری صلاحیت کے باوجود اپنی صلاحیت کو دنیا کے بازار میں کیش نہیں کرایا بلکہ اس کو دین کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مختلف مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں ملی ادارے قائم کیے۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر بہت سی ممتاز علمی اور ملی تنظیموں میں انہیں اعلیٰ مناصب دیے گئے، وغیرہ۔

مولانا اشرف علی تھانوی (وفات ۱۹۴۳) سے کسی نے کہا کہ آپ کے مدرسوں میں آج کل اعلیٰ قابلیت کے علماء پیدا نہیں ہوتے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ اعلیٰ قابلیت کے لوگ اب مدرسوں میں نہیں آتے۔

یہی مطلب ذہاب العلماء کا ہے جس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے سادہ انداز میں اس طرح بیان کر دیا۔ یہ نئی صورت حال جو موجودہ زمانہ میں پیدا ہوئی، اس کا سبب کیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جدید صنعتی انقلاب نے دولت کمانے کے جو نئے طریقے پیدا کیے ہیں اُس

میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو ایسے برتر امکانات نظر آنے لگے جو پہلے کبھی نہیں تھے۔

قدیم زمانہ میں معیشت کا دار و مدار زیادہ تر روایتی انداز کی زراعت پر تھا۔ اس نظام کے تحت کمائی کے مواقع بہت محدود ہوتے تھے۔ مگر جدید ٹیکنالوجی اور جدید تجارتی شعبوں نے کمائی کے مواقع لاکھوں گنا زیادہ بڑھا دیے ہیں۔ اب ''عاجلہ'' میں اتنی زیادہ کشش پیدا ہوگئی ہے جو پہلے کبھی نہیں تھی۔ مادی ترقی کی یہی بڑھی ہوئی کشش ہے جس نے اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کا رخ اُن تعلیمی اداروں سے ہٹا دیا جہاں علماء پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ تیزی کے ساتھ اُن سیکولر تعلیمی اداروں کی طرف بھاگنے لگے جہاں وہ افراد پیدا کیے جاتے ہیں جو جدید ترقیاتی شعبوں میں اعلیٰ مناصب پاسکیں۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو مولانا مجاہد الاسلام قاسمی حقیقی معنوں میں دور جدید کے اسلامی مجاہد تھے۔ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا اجہاد یہ ہے کہ ایک باصلاحیت آدمی مواقع دنیا کے مقابلہ میں مواقع دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکے۔ یہ قربانی کی وہ قسم ہے جو کسی آدمی کو عظیم مجاہد بنا دیتی ہے، اور مولانا مرحوم بلاشبہہ اس معنی میں دور جدید کے مجاہد اسلام تھے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی متنوع خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ہر دل عزیز اوصاف کی بنا پر ہر طبقہ کے درمیان مقبول تھے۔ مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے درمیان اُن کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ایک ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ایک مقبول رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نئی نسل کے درمیان ایسے لوگ پیدا ہوں جو مولانا مرحوم کی راہ پر چلیں۔ ملت کے درمیان ایسے افراد کا خلا نہ ہونے پائے جن کو بیک وقت علمی استناد بھی حاصل ہو اور اسی کے ساتھ عوام کی مقبولیت بھی۔ مولانا مرحوم کی زندگی جدید مسلم نسل کو یہ مثبت پیغام دیتی ہے کہ — میری موت کو ماتم کا عنوان نہ بناؤ، بلکہ اُس کو عزمِ نو کا عنوان بناؤ۔ ملت کے کام کو میں نے جہاں چھوڑا ہے وہاں سے آغاز کر کے آگے بڑھو۔ تعمیرِ ملت کے عمل کو مسلسل جاری رکھو۔ یہاں تک کہ تم اُس کی آخری منزل پر پہنچ جاؤ۔

جنت کا ٹکٹ

ایک مسلمان نے دوسرا نکاح کرلیا۔ اس پر اُن کی پہلی بیوی بہت ناراض ہوگئیں۔ دوسرے نکاح سے پہلے وہ ایک دین دار خاتون مشہور تھیں۔ مگر دوسرے نکاح کے بعد انہوں نے گھر کے اندر اتنا طوفان برپا کیا کہ اُن کے شوہر دل کے مریض بن گئے۔ میں نے مذکورہ خاتون کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ میں ذاتی طور پر موجودہ عملی حالات میں دوسرے نکاح کا قائل نہیں ہوں۔ مگر آپ کے لیے یہ دوسرا نکاح گویا ایک خدائی امتحان تھا جس میں آپ ناکام ہوگئیں۔ یاد رکھیے، جنت کا ٹکٹ موافق حالات میں دین داری پر نہیں ملتا بلکہ وہ غیر موافق حالات میں دین داری پر ملتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے — کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو جانچا نہ جائے گا۔ (العنکبوت ۲۔۳)۔

اصل یہ ہے کہ دین داری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے، معمول کے حالات میں دین داری۔ دوسری دین داری وہ ہے جب کہ حالات غیر موافق ہو جائیں۔ جب آدمی کو اپنے بھڑکے ہوئے جذبات پر قابو رکھ کر دینی حکم کا پابند بننا پڑے۔ اسی دوسری صورت حال کا نام آزمائش ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عورت یا مرد کے لیے جنت کا فیصلہ صرف اُس وقت ہوتا ہے جب کہ اُس پر اس دوسری نوعیت کے حالات گذریں۔ مگر وہ اپنے آپ کو پوری طرح قابو میں رکھے۔ وہ غیر معمولی حالات میں بھی اُسی طرح دینی تقاضوں پر عمل کرے جس طرح کوئی شخص معمول کے حالات میں دینی تقاضوں پر عمل کرتا ہے۔

جانچ کا یہ لمحہ ہر مسلم عورت اور ہر مسلم مرد پر ضرور آتا ہے۔ مزید یہ کہ جانچ کا یہ لمحہ اعلان کے ساتھ نہیں آتا بلکہ وہ اعلان کے بغیر آتا ہے۔ جو لوگ اس لمحہ کو پہچانیں اور جانچ میں پورے اُتریں وہی کامیاب ہیں اور جو لوگ اس لمحہ کو نہ پہچانیں اور جانچ میں پورے نہ اُتریں وہ اللہ کی نظر میں ناکام قرار پائیں گے، خواہ کسی اور اعتبار سے بظاہر وہ کتنا ہی زیادہ دین دار بنے ہوئے ہوں۔

لائن آف ایکشن کا مسئلہ

۱۹۴۷ میں جب ہندستان آزاد ہوا تو اس کے بعد تمام مسلمانوں کے سامنے یہ سوال تھا کہ نئے ہندستان میں مسلمانوں کے لئے لائن آف ایکشن کیا ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس موضوع پر ہزاروں تحریریں سامنے آئیں اور ہزاروں جلسے کئے گئے۔ مگر آج بھی لوگ یہی پوچھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے راہِ عمل یا لائن آف ایکشن کیا ہونا چاہئے۔

میرے نزدیک یہ مسئلہ لائن آف ایکشن کی غیر موجودگی کا نہیں ہے بلکہ لائن آف ایکشن کے موجود ہوتے ہوئے اس کو عملاً قبول نہ کرنے کا ہے۔ مسلمانوں کے سامنے بار بار مختلف جماعتوں اور رہنماؤں کی طرف سے اپنے اپنے انداز میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے مگر آج تک کسی بھی جواب کو مسلمانوں میں عمومی قبولیت کا درجہ حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۴۸ میں لکھنؤ میں مشہور مسلم کنونشن کیا۔ اس موقع پر مولانا آزاد نے جو تقریر کی تھی وہ آج بھی چھپی ہوئی موجود ہے۔ اپنی اس تقریر میں انہوں نے مسلمانانِ ہند کے سامنے یہ لائحہ عمل پیش کیا کہ وہ مسلم لیگ کو توڑ دیں اور نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کرلیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہندستان کے مسلمان فرقہ وارانہ بنیاد پر اپنی ملی پالیسی نہ بنائیں بلکہ اپنی پالیسی مشترک قومی بنیاد پر بنائیں۔ نمائندگی کے اعتبار سے لکھنؤ کا یہ آل انڈیا مسلم کنونشن نہایت کامیاب تھا۔ مگر اس کے بعد ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان مولانا آزاد کے مشورہ کو اپنی ملی پالیسی کے طور پر اختیار کرلیں۔ ان کی ولولہ انگیز تقریر فضا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔

اسی طرح نہایت دھوم کے ساتھ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت (۱۹۶۴) بنی۔ ملک کے تقریباً تمام مسلم رہنما اس کے پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوگئے۔ مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے متفقہ طور پر ایک مسلم منشور تیار کر کے شائع کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ہندستان کے مسلمان اس ملک میں خیر امت کا کردار ادا کریں۔ مگر اس عنوان پر مسلمان عملاً متحرک نہ ہو سکے۔ یہاں

تک کہ خود مسلم مجلس مشاورت بے اثر ہو کر رہ گئی۔

یہی معاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (۱۹۷۲) کا ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے بانی قائدین کے زمانہ میں متفقہ طور پر تعمیر ملت اور اصلاح معاشرہ کی تجویز پاس کی۔ اس پر کافی حد تک وہ کام بھی ہوا جس کو پیپر ورک کہا جاتا ہے۔ مگر یہ لائحہ عمل بھی مسلمانوں کے درمیان عملی قبولیت حاصل نہ کر سکا۔

اس طرح کچھ مسلم قائدین نے نہایت دھوم کے ساتھ وہ تحریک شروع کی جو پیام انسانیت (۱۹۵۱) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان خود انسانی اقدار کو اپنائیں اور برادران وطن کو انسانی اقدار کی پیروی کی دعوت دیں۔ مگر جلسوں کی وقتی دھوم دھام کے علاوہ اس کا بھی کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلا۔ انسانی اقدار کی پیروی کی فضا نہ مسلمانوں میں قائم ہو سکی اور نہ غیر مسلموں میں۔

اسی طرح ۱۹۹۰ میں بابری مسجد کے نام پر جلسہ اور جلوس اور ریلی کے زبردست ہنگامے شروع ہوئے۔ یہ سلسلہ پورے ملک میں جاری ہو گیا۔ اس تحریک کے مسلم لیڈروں نے یہ نعرہ دیا کہ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں مارچ کر کے اجودھیا پہنچیں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں بابری مسجد کی حفاظت کریں۔ مگر اس مقصد کے لئے نہ چھوٹا مارچ ہوا اور نہ بڑا مارچ۔ یہاں تک کہ "حملہ آور" کسی مزاحمت کے بغیر ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو اجودھیا میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے بابری مسجد کے ڈھانچہ کو توڑ کر اس کی جگہ ایک عارضی رام مندر تعمیر کر دیا۔

اسی طرح کچھ ممتاز مسلم لیڈروں نے یہ لائحہ عمل دیا کہ مسلمان اس ملک میں باعزت زندگی اس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی ووٹ کی طاقت کو اینٹی مسلم پارٹیوں کو ہرانے کے لئے استعمال کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک اردو شاعر کا یہ شعر سنایا:

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے   اگر کانٹوں میں ہو خوئے حریری

ہر بار جب اسمبلی اور پارلیمنٹ کا الیکشن ہوتا ہے تو وہ وقت آتا ہے جب کہ مسلمان اس لائحہ عمل کو اختیار کر کے مفروضہ اینٹی مسلم پارٹیوں کو ہرائیں اور مفروضہ پرو مسلم پارٹیوں کو جتائیں۔ مگر ہر بار صرف یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ووٹ اپنے عدم اتحاد کی بنا پر منتشر ہو جاتا ہے۔ مذکورہ سیاسی مقصد

حاصل کرنے کے بجائے مسلمان صرف یہ کرتے ہیں کہ وہ ہر الیکشن کے موقع پر تقسیم ہو کر ووٹ کی طاقت کو ضائع کر دیتے ہیں۔ الیکشن ان کے ووٹوں کا ایک سیاسی قبرستان بن کر رہ جاتا ہے۔ (واضح ہو کہ پارلیمنٹ کی تقریباً سو سیٹوں پر مسلم ووٹر فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں)

یہی معاملہ جمعیۃ علماء ہند کا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے تقریباً ہر موقع پر یہ لائحہ عمل پیش کیا ہے کہ مسلمان ایسا طریقِ کار نہ اختیار کریں جس میں ہندو اور مسلم کے درمیان ٹکراؤ کی فضا بنے۔ اس کے بجائے وہ خاموش تدبیر اور تعمیری اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے اپنا مسئلہ حل کریں۔ مگر ہر بار یہی ہوا ہے کہ مسلمان جمعیۃ علماء ہند کے بتائے ہوئے اس لائحہ عمل کو اختیار نہیں کر پاتے۔ گویا لائحہ عمل موجود ہے مگر لائحہ عمل کی قبولیت اور پیروی موجود نہیں۔

اس فہرست میں کسی قدر فرق کے ساتھ خود الرسالہ مشن کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ الرسالہ مشن کے تحت مسلمانوں کے سامنے نہایت واضح اور مدلل انداز میں ۱۹۷۶ سے یہ لائحہ عمل پیش کیا جا رہا ہے کہ مسلمان کا اصلی اور ابدی مشن دعوت ہے۔ اس ملک میں مسلمان اور برادران وطن کا تعلق داعی اور مدعو کا تعلق ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے اپنے اس فریضہ کو پہچانیں۔ وہ دعوت کے آداب اور دعوت کی حکمتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس ملک میں دین حق کی پر امن پیغام رسانی کا کام انجام دیں۔ مگر ربع صدی سے زیادہ مدت تک مسلسل جدوجہد کے باوجود ابھی تک مسلمانوں کی صرف ایک محدود تعداد ہی نے اس راہ عمل کو عملاً اختیار کیا ہے۔

یہ طویل تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کا اصل مسئلہ راہ عمل کی غیر موجودگی نہیں ہے بلکہ جذبۂ قبولیت کی غیر موجودگی ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے درمیان حقیقی کام کا آغاز صرف یہ نہیں ہو سکتا کہ تقریری یا تحریری کی صورت میں ایک راہِ عمل یا لائن آف ایکشن کا اعلان کر دیا جائے۔ موجودہ حالات میں اس کے لیے شعوری تعمیر اور ذہنی بیداری کی ایک مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ پہلے شعوری اعتبار سے لوگوں میں مادۂ قبولیت پیدا کیجئے، اُس کے بعد ہی راہِ عمل کے اعلان کا کوئی مفید عملی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے، اس کے بغیر ہرگز نہیں۔

بامقصد انسان کا کردار

صہیب بن سنان الرومی اُن اصحابِ رسول میں سے ہیں جنہوں نے دورِ اوّل میں اسلام قبول کیا۔ اُن کی پیدائش موصل میں ہوئی۔ اُنہوں نے مدینہ میں ۳۸ھ میں وفات پائی۔ بوقت وفات اُن کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ اُن سے تین سو سات حدیثیں مروی ہیں۔ اُن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أنا سابق العرب، وصهيب سابق الروم۔**

صہیب رومی کا تذکرہ تاریخ اسلام کی اکثر کتابوں میں آیا ہے۔ مثلاً طبقات ابن سعد، تاریخ ابن عساکر، وغیرہ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صہیب رومی ایک اونچے خاندان کے فرد تھے۔ پھر وہ مکہ میں تجارت کرنے لگے۔ انہوں نے تجارت میں کافی دولت کمائی (**كان صهيب قد ربح مالا وفيرا من تجارته**)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کے لیے ہجرت فرمائی تو صہیب رومی نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا۔ روایات بتاتی ہیں کہ اُن کی ہجرت کی خبر لوگوں کو ہوگئی۔ چنانچہ قریش کے کچھ نوجوان اُن کے پاس آئے۔ اُنہوں نے کہا کہ تم نے اپنا یہ مال مکہ میں حاصل کیا ہے۔ اس کو لے کر ہم تم کو مدینہ نہیں جانے دیں گے۔ صہیب رومی نے کہا کہ اگر میں تم کو اپنا مال دے دوں تو کیا تم مجھ کو جانے دو گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد صہیب رومی نے اپنا سارا مال اُن کے حوالہ کردیا (**فجعل لهم ماله أجمع**)

اپنا مال قریش کے حوالہ کرکے صہیب رومی مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپ کو مکہ کا پورا واقعہ بتایا۔ اُس کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **يا أبا يحيىٰ ربح البيع** (اُے ابویحیٰ، تمہاری تجارت کامیاب رہی) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: **ربح صهيب، ربح صهيب** (صہیب کی تجارت کامیاب رہی، صہیب کی تجارت کامیاب رہی)۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، الجزء الثالث، صفحہ ۱۷۳-۱۷۴۔

حضرت صہیب رومی کا یہ واقعہ جس کی تصدیق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، بے حد اہم ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ با مقصد انسان کا کردار کیا ہونا چاہئے۔ اس کا کردار یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مقصد کے علاوہ ہر دوسری چیز کو ثانوی (سیکنڈری) درجہ پر رکھے۔ وہ اپنے مقصد کو بچانے کی خاطر ہر دوسری چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔

مذکورہ واقعہ پر غور کیجئے۔ حضرت صہیب رومی کے سامنے ایک صورت یہ تھی کہ وہ یہ سوچیں کہ یہ مال میں نے اپنی محنت سے کمایا ہے۔ وہ میرا ایک جائز حق ہے۔ مجھے اپنے حق سے محرومی کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔ مجھے ہر حال میں اپنے مال کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہئے، خواہ اُس کے لیے مجھے ظالموں سے لڑائی لڑنی پڑے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ یہ سوچیں کہ مدینہ دعوتِ اسلامی کا مرکز بن رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر مجھے اس دعوتی مہم میں شریک ہونا ہے۔ اسلام کے اس قافلہ کے ساتھ مل کر مجھے چاہئے کہ میں اس تاریخی مہم کو اُس کی تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کروں۔

صہیب رومی نے محسوس کیا کہ یہ کم بہتر اور زیادہ بہتر کے درمیان انتخاب کا معاملہ ہے۔ اگر میں مال کے لیے ٹکراؤ کروں تو یہ کوئی عقل مندی نہ ہوگی۔ یہ مال کی خاطر مقصد کو قربان کرنے کے ہم معنٰی ہوگا۔ چنانچہ اُنھوں نے مقصد کو بچانے کی خاطر مال کو قربان کر دیا اور اُس سے دست بردار ہو کر مدینہ چلے گئے۔

اس طرح کے معاملات میں سوچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے منطقی انصاف کا طریقہ، اور دوسرا ہے عملی حل کا طریقہ۔ منطقی انصاف کا مطلب یہ ہے کہ خالص فنی اعتبار سے صحیح اور غلط کو معلوم کیا جائے، جیسا کہ قانونی عدالت میں ہوتا ہے۔ اور دوسرا ہے عملی حل (practical solution)۔ عملی حل کا مطلب یہ ہے کہ قانونی اعتبار سے صحیح اور غلط کی بحث میں نہ پڑا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ عملی حالات کے اعتبار سے مسئلہ کا مثبت حل کیا ہے۔ پہلا طریقہ عام انسان کا طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ با مقصد انسان کا طریقہ۔

عام انسان کو صرف یہ معلوم رہتا ہے کہ قانون کے مطابق، اُن کا حق کیا ہے۔ اس کے برعکس

بامقصد انسان قانونی حق اور منطقی انصاف سے بلند ہو کر یہ سوچتا ہے کہ میرے لیے اپنے مقصد اعلیٰ کو حاصل کرنے کا مفید طریقہ کیا ہے۔ سوچ میں اس فرق کی بنا پر، عام انسان لوگوں کے ساتھ زر اور زمین کا جھگڑا کرتا رہتا ہے، کیونکہ اس کے سوا اُس کا اور کوئی نشانۂ حیات نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بامقصد انسان کا نظریہ، حضرت مسیح کے الفاظ میں یہ ہوتا ہے کہ، کوئی تمہارا کرتا لینا چاہے تو اُس کو اپنا چغہ بھی دے دو۔ یعنی دنیوی چیزوں کے معاملہ میں نزاع پیدا ہو تو فوراً یک طرفہ قربانی کے ذریعہ اُس نزاع کو ختم کر دو، تاکہ مقصد کی طرف تمہارا سفر کسی خلل کے بغیر مسلسل طور پر جاری رہے۔

اس طرح کے نزاعی معاملات میں عام انسان کا قول یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنا حق کیوں چھوڑیں، ہم انصاف سے دست بردار کیوں ہوں۔ مگر بامقصد انسان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ دنیوی حق کو لینے کی کوشش میں وہ ربانی حق سے محروم ہو جائے گا۔ دنیوی انصاف کو حاصل کرنے کی لڑائی میں وہ آخرت کے انصاف کی میزان میں اپنے آپ کو بے قیمت کر لے گا۔ سوچنے کا یہی فرق دونوں کے عمل میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ ایک، دنیا کی خاطر آخرت کو گنوا دیتا ہے، اور دوسرا، آخرت کی خاطر دنیا کو۔

کام کا صحیح طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ کار کیا تھا، اس سوال کا جواب حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ملتا ہے: ما خیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین أمرین إلا اختار ایسرهما۔ (صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود)۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امر میں سے ایک امر کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے آسان کا انتخاب فرماتے تھے۔

حدیث میں اَیسر کا لفظ ہے۔ اس کی تشریح شارحینِ حدیث نے عام طور پر اَسہل کے لفظ سے کی ہے (فتح الباری ۶/۶۶۵) یعنی زیادہ سہل۔ مگر اسہل (سہل تر) کے لفظ سے اُس کی اصل حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ پیغمبر اسلام اور دوسرے تمام پیغمبر، قرآن کے بیان کے مطابق، اولو العزم پیغمبر (الاحقاف ۳۵) تھے۔ کوئی پیغمبر کبھی سہل پسند نہیں ہوتا۔ سہل پسندی پیغمبر کے مزاج کے خلاف ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس حدیث میں اَیسر کا لفظ زیادہ قابلِ عمل کے معنی میں ہے، نہ کہ سادہ طور پر محض سہل کے معنی میں۔

حضرت عائشہ کی اس روایت کا مفہوم اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سیرت کی روشنی میں متعین کیا جائے تو اس سے پوری حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اگر لفظ بدل کر کہا جائے تو اس روایت میں اَیسر سے مراد قابلِ حصول نقشۂ کار (available framework) ہے۔ ہر صورت حال میں دو عملی طریقہ ممکن ہوتا ہے۔ ایک وہ طریقہ جو بروقت موجود نقشہ ہی میں قابلِ عمل ہو۔ اور دوسرا طریقہ وہ جس کا تقاضا یہ ہو کہ پہلے موجود نقشہ کو بدلا جائے، اُس کے بعد ہی اپنا مطلوب عمل شروع کیا جا سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اُس نقشۂ کار میں اپنا عمل جاری کیا جو بروقت آپ کے لیے ممکن اور قابلِ حصول تھا۔ اس پیغمبرانہ طریقِ کار کی ایک مثال یہ ہے کہ قدیم مکہ میں آپ کو دینِ توحید کی تبلیغ کا کام کرنا تھا۔ اب اس کی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ کعبہ کے موجود اجتماع گاہ کو استعمال کیا جائے جہاں بتوں کی پوجا کے لیے لوگ پہلے سے اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ اس سے

الگ اپنا کوئی نیا مقام اجتماع بنائیں۔ دوسرا اور نیا اجتماع گاہ بنانا اس وقت سخت مشکل کام تھا۔ اس کے برعکس کعبہ کا صحن ایک بنے بنائے اجتماع گاہ کی صورت میں موجود تھا۔ پیغمبر اسلام نے بتوں کی موجودگی کے ناپسندیدہ پہلو کو وقتی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اس موجود نقشۂ کار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور وہاں اپنے دعوتی خطاب کا مستقل سلسلہ شروع کر دیا۔

کام کا یہی وہ عملی طریقہ ہے جس کو مذکورہ حدیث میں اختیار ایسر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں قابلِ حصول نقشۂ کار (available framework) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسلم رہنماؤں نے اس پیغمبرانہ حکمت کو نہیں سمجھا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ وہ ایسر اور اعسر میں فرق نہ کر سکے۔ اُن کے لیے قابلِ حصول نقشۂ کار موجود تھا مگر اپنی بے خبری کی بنا پر وہ نا قابلِ حصول نقشۂ کار میں اپنی عملی سرگرمیاں دکھاتے رہے۔ قانونِ فطرت کے مطابق، اس کا نتیجہ صرف یک طرفہ تباہی ہو سکتا تھا اور وہی اُن کے حصہ میں پیش آیا۔

برصغیر ہند میں اس کی ایک مثال انگریزوں کے خلاف علماء ہند کی پُر تشدد تحریک ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ علماء کی یہ پُر تشدد تحریک ساٹھ سالہ قربانیوں کے باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ اس کے برعکس مہاتما گاندھی کی انہی انگریزوں کے خلاف پُر امن تحریک صرف پچیس سال میں اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوگئی۔ اس فرق کا واحد سبب یہ تھا کہ مہاتما گاندھی کی پُر امن جدوجہد قابلِ حصول نقشۂ کار کے دائرہ میں تھی، جب کہ علماء ہند کی پُر تشدد جدوجہد نا قابلِ حصول نقشۂ کار کے دائرہ میں۔

اس معاملہ کی دوسری مثال الاخوان المسلمون کی تحریک ہے۔ انہوں نے مصر میں شاہ فاروق (وفات ۱۹۶۵) اور صدر جمال عبد الناصر (وفات ۱۹۷۰) کو مغرب نواز اور اسلام دشمن قرار دے کر اُن کے خلاف پُر تشدد تحریک چلائی۔ مگر غیر معمولی قربانیوں کے باوجود اخوانیوں کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ البتہ مصر ایک تباہ شدہ ملک ہو کر رہ گیا۔ مزید یہ کہ اسی اخوانی فکر کے لوگ اپنے ملک میں سیاسی دارو گیر سے بھاگ کر بڑی تعداد میں امریکہ گئے۔ اب وہ وہاں مختلف قسم کے اسلامی ادارے

بڑے پیانہ پر چلا رہے ہیں۔ اور پُرفخر طور پر وہاں اپنے کارنامے بیان کرتے ہیں۔

الاخوان المسلمون مصر میں کیوں ناکام رہے اور امریکہ میں خود اپنے دعویٰ کے مطابق، وہ کیوں کامیاب ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ انہوں نے مصر میں پُرتشدد نقشۂ کار کے مطابق کام کرنا چاہا جو وہاں اُن کے لیے قابل حصول ہی نہ تھا۔ اس کے برعکس امریکہ میں وہ پرامن طریق کار کے مطابق کام کرر ہے ہیں جو وہاں کے حالات میں اُن کے لیے پوری طرح قابلِ حصول ہے۔

تاہم الاخوانِ المسلمون کو نہ مصر میں اُن کے کام پر کوئی کریڈٹ دیا جا سکتا ہے اور نہ امریکہ میں اُن کے کام پر۔ مصر میں اُن کا کام صرف سیاسی نادانی کے خانہ میں لکھا جائے گا۔ اور امریکہ میں وہ اپنے کام پر دوہرا معیار (ڈبل اسٹینڈرڈ) اختیار کرنے والے قرار پائیں گے، اِلّا یہ کہ وہ کھلے لفظوں میں یہ اعلان کریں کہ مصر میں اُن کی پالیسی سراسر غلطی اور نادانی کی پالیسی تھی۔ اعتراف کے بعد غلطی ایک نیکی بن جاتی ہے اور اعتراف کے بغیر غلطی صرف غلطی رہتی ہے۔

جماعت اسلامی کا معاملہ بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ جماعت اسلامی اور اُس کے بانی نے پاکستان میں زبردست سیاسی ہنگامہ برپا کیا۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ پاکستان میں وہاں کے سیکولر حکمرانوں نے سیکولر نظام قائم کر رکھا ہے۔ جب تک اس سیکولر نظام کو توڑا نہ جائے یہاں کوئی قابلِ ذکر اسلامی کام کرنا ممکن نہیں۔ جماعت اسلامی اور اُس کے بانی کی ٹکراؤ کی اس سیاست کا کوئی مثبت نتیجہ پاکستان کو نہیں ملا۔ بلکہ برعکس طور پر پاکستان ایک تباہ شدہ ملک بن کر رہ گیا۔

اب اسی جماعت اسلامی کی فکر کو ماننے والے لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ انڈیا کے سیکولر نظام کے تحت کام کرر ہے ہیں۔ وہ پُرفخر طور پر یہاں اپنے اسلامی کارنامے بیان کرتے ہیں۔ مگر جماعت اسلامی کا معاملہ بھی وہی ہے جو الاخوان المسلمون کا معاملہ ہے۔ جماعت اسلامی کے لوگوں نے پاکستان میں جو کچھ کیا اُس پر اُنہیں صرف سیاسی نادانی کا کریڈٹ دیا جائے گا۔ اسی طرح انڈیا کی جماعت اسلامی کے لوگ انڈیا میں اپنے اعلان کے مطابق، جو کارنامے انجام دے رہے ہیں اُس پر بھی وہ کوئی کریڈٹ نہیں پا سکتے۔ اِلّا یہ کہ وہ کھلے طور پر یہ اعلان کریں کہ اُن کے بانی کا نظریہ سیکولرزم یا

سیکولر نظام کے بارے میں سراسر غلط تھا اور زمانہ سے بے خبری پر مبنی تھا۔ اس کھلے اعلان کے بغیر یقینی طور پر وہ کسی مثبت انعام کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ غلطی کے اعلان کے بغیر انڈیا میں اُن کی پالیسی دوہرا معیار (ڈبل اسٹینڈرڈ) کی پالیسی قرار پائے گی۔ اور غلطی کے اعتراف کے بعد اُن کی یہ پالیسی موجب ثواب توبہ کی حیثیت اختیار کر لے گی۔

قابل حصول نقشۂ کار (available framework) کی جو بات یہاں لکھی گئی، وہ فرد اور جماعت دونوں کے لیے یکساں طور پر نہایت اہم ہے۔ حدیث کی زبان میں وہ اختیار ایسر کی پالیسی ہے، اور فطرت کی زبان میں وہ حقیقت پسندی کی پالیسی۔ یہی موجودہ دنیا میں کامیابی کا واحد طریقہ ہے۔ اس طریقہ کو اختیار کئے بغیر اس دنیا میں نہ کوئی فرد کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور نہ کوئی جماعت۔ یہ ایک ایسا اٹل قانون ہے جس میں کسی کے لیے بھی کوئی استثناء نہیں۔

الرسالہ ہندی

'الرسالہ ہندی' اب جنوری ۲۰۰۲ سے ممبئی سے مستقل شائع ہو رہا ہے۔ خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ الرسالہ ہندی کا سالانہ زرتعاون بذریعہ M.O./DD/Cheque 'الرسالہ ہندی' کے نام (غیر مقامی چیک کے لئے 50 روپے مزید) مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں:

زرتعاون 'الرسالہ ہندی' فی کاپی: -/10 روپے

سالانہ: -/110 روپے

Manager Al-Risala,
E-4, Marian House, 29th, Road, T.P.S. III
Opp. Waterfield Road, Bandra (W), Mumbai-400 050
Tel.: 834 1654/ 834 6079/ 821 8609 Fax: 823 6323
E-mail: hbshaikh@bom5.vsnl.net.in

دہشت گردی کیا ہے

آج کل آتنک واد یا دہشت گردی (terrorism) کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ تقریباً ہر ملک میں اس موضوع پر لکھا اور بولا جارہا ہے۔ مگر میرے علم کے مطابق، ابھی تک اس کی کوئی واضح تعریف سامنے نہ آسکی۔ لوگ آتنک واد کی مذمت کرتے ہیں، مگر وہ بتا نہیں پاتے کہ آتنک واد متعین طور پر ہے کیا۔

راقم الحروف نے اس سوال کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میرے مطالعہ کے مطابق، غیر حکومتی تنظیموں کا ہتھیار اُٹھانا آتنک واد ہے:

Armed struggle by non-governmental organisations

اسلام آزادی کا حق تسلیم کرتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق، قومی یا سیاسی مقصد کے لیے پُر امن تحریک چلانے کا حق کسی بھی شخص یا جماعت کو حاصل ہے۔ یہ حق اُس کو اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک وہ براہِ راست یا بالواسطہ طور پر جارحیت کا ارتکاب نہ کرے۔ اسلام میں ہتھیار کا استعمال یا کسی حقیقی ضرورت کے تحت مسلّح عمل کا حق صرف باقاعدہ طور پر قائم شدہ حکومت کو حاصل ہے۔ غیر حکومتی تنظیمیں (NGOs) کو کسی بھی عذر کی بنا پر ہتھیار اٹھانے کا حق حاصل نہیں (اس اسلامی حکم کی تفصیل میری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے)۔

مجرم کو سزا دینا، حملہ آور کے مقابلہ میں دفاع کرنا، اس طرح کے امور جو بین اقوامی اُصول کے مطابق، کسی قائم شدہ حکومت کو مسلّح کارروائی کا حق دیتے ہیں۔ یہی خود اسلام کا اصول بھی ہے۔ اس اُصول کی روشنی میں ٹیررزم کی تعریف یہ ہے کہ — ٹیررزم اُس مسلّح کارروائی کا نام ہے جو کسی غیر حکومتی تنظیم نے کی ہو۔ یہ غیر حکومتی تنظیم خواہ کوئی بھی عذر پیش کرے مگر وہ ہر حال میں ناقابلِ قبول ہوگا۔ ایک غیر حکومتی تنظیم اگر یہ محسوس کرتی ہے کہ ملک میں کوئی بے انصافی ہوئی ہے یا حقوق کی پامالی کا کوئی واقعہ پیش آیا ہے تو اُس کو صرف یہ حق ہے کہ وہ پُر امن جدوجہد کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی کوشش کو جاری کرے۔ وہ کسی بھی حال میں اور کسی بھی عذر کی بنا پر تشدد کا طریقہ نہ اختیار کرے۔

لڑ رہے ہیں وہ ملک اور مال کے لئے ہے۔ ملک اور مال کے لئے جو جنگ لڑی جائے وہ ہرگز جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاد (بمعنیٰ قتال) صرف ایک قائم شدہ ریاست کا فعل ہے نہ کہ عام افراد کا۔ موجودہ جنگ کی صورت یہ ہے کہ اس کو عام افراد چھیڑے ہوئے ہیں۔ جب کہ عام افراد کو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ حق ہی حاصل نہیں۔ عام افراد اگر جنگ چھیڑیں تو یہ ان کے لئے ایک فعل حرام کا ارتکاب ہوگا۔

ایک قائم شدہ ریاست جارحیت کی صورت میں دفاعی جنگ لڑسکتی ہے مگر ایسی دفاعی جنگ بھی اس وقت اسلامی جنگ ہوگی جب کہ وہ کھلے اعلان کے ساتھ لڑی جائے۔ اعلان کے بغیر کسی کے خلاف پراکسی وار چھیڑنا اور اس کو جھوٹ کے بل پر چلانا اسلام میں ہرگز جائز نہیں۔

اسلام میں حقوق کی دو قسمیں کی گئی ہیں ـــــ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو خدا کی نسبت سے بندے پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر کوئی بندہ حقوق اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کرے تو اس کی تلافی کے لئے معافی مانگنا ہی کافی ہوجاتا ہے۔

مگر حقوق العباد کا معاملہ بے حد سنگین ہے۔ حقوق العباد میں غلطی کرنے کا معاملہ انسانوں سے ہوتا ہے۔ جو آدمی انسان کے معاملہ میں کوئی جرم کرے تو صرف خدا سے معافی مانگنا اس کی تلافی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ خدا سے معافی مانگنے کے ساتھ اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ متعلق لوگوں سے بھی معافی مانگے اور اس نقصان کی تلافی کرے جو اس نے انہیں پہنچایا ہے۔

ہائی جیکنگ کا تعلق بلاشبہہ حقوق العباد سے ہے۔ یہ انسان کے مقابلہ میں ظلم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں ہائی جیکروں پر لازم ہے کہ وہ ستم زدہ انسانوں سے باقاعدہ طور پر اس کی تلافی کریں۔ ورنہ وہ خدا کے نزدیک ناقابل معافی مجرم قرار پائیں گے، خواہ وہ بظاہر نماز روزہ کیوں نہ ادا کررہے ہوں۔

آگ کو بجھانا، نہ کہ بھڑکانا

قرآن کی سورہ نمبر ۵ میں ارشاد ہوا ہے: کلما أوقدوا نارا للحرب أطفأها اللہ۔ (المائدہ ۶۴) یعنی جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے۔

اس آیت میں وقتِ نزول کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہود مراد تھے۔ مگر اپنی اصل کے اعتبار سے یہ ایک عمومی حکم ہے اور وہ اہل اسلام کے لیے ابدی رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے یہ اُصول معلوم ہوتا ہے کہ مخالف فریق اگر آگ بھڑکانے کی کوشش کرے تو اہلِ اسلام کا کام یہ ہے کہ وہ اُس کو فوراً بجھانے کی تدبیر کریں، نہ کہ وہ اُس کو مزید بھڑکائیں۔

مثال کے طور پر ایک بس میں کچھ غیر مسلم مسافر سفر کر رہے ہیں۔ اُس میں ایک باریش مسلمان بھی موجود ہے۔ بس میں کچھ غیر سنجیدہ قسم کے غیر مسلم ہیں۔ وہ مذکورہ مسلمان سے دل آزاری کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ اُس کو اشتعال دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بس جب اپنے اسٹیشن پر رکتی ہے تو مذکورہ مسلمان باہر آ کر بلند آواز سے یہ کہتا ہے کہ اے مسلمانو، اس بس کے مسافروں نے میری بے عزتی کی ہے، تم ان کو سبق دو۔

اس کے بعد مقامی مسلمان بھڑک اٹھتے ہیں۔ وہ بس پر یورش کر دیتے ہیں۔ بات بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ غصہ میں بھرے ہوئے مسلمان بس میں آگ لگا دیتے ہیں۔ اس آگ میں بس بھی تباہ ہوتی ہے اور اُس کے بیشتر مسافر جل کر مر جاتے ہیں۔

مذکورہ مسلمانوں کا یہ رویہ قرآن کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن کی مذکورہ آیت کی روشنی میں اس معاملہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بس کے غیر مسلم مسافروں نے جو "آگ" بھڑکائی تھی اُسے مسلمانوں کو بجھانا چاہیے تھا۔ پُر امن تدبیر کے ذریعہ اُنہیں اشتعال کو ٹھنڈا کرنا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے اس کے برعکس عمل کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بس کو اور اُس کے مسافروں کو زندہ جلانے کی خبر پھیلی تو پوری ریاست

کے غیر مسلم غصہ میں بھڑک اٹھے۔ انہوں نے ریاست میں بسے ہوئے مسلمانوں کو جلانا اور مارنا شروع کیا۔ اُن کی دکانوں اور مکانوں کو تباہ کیا گیا۔ اس طرح بس کے ایک مسلمان مسافر کے ساتھ بدتمیزی کی صورت میں جو بُرائی پیش آئی تھی وہ بہت بڑے اضافہ کے ساتھ پوری ریاست کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ آگ لگانے والے اگر آگ لگائیں تب بھی مسلمان کا کام اُس کو بجھانا ہے، نہ کہ اُس کو مزید بھڑکانا۔

نزاع کے معاملہ میں جوابی سلوک کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) زیادتی کرنے والے کے ساتھ مزید اضافہ کے ساتھ زیادتی کرنا (۲) زیادتی کا جواب برابر کی زیادتی سے دینا (۳) زیادتی کرنے والے کو یک طرفہ طور پر معاف کر دینا۔ اس طرح کے معاملہ میں ان کے علاوہ کوئی چوتھی صورت غالباً نہیں ہے۔

زیادتی کا جواب مزید زیادتی کے ساتھ دینا اصل مسئلہ کو تو حل نہیں کرتا، البتہ وہ انتقام اور جوابی انتقام کا جذبہ بھڑکا کر مسئلہ کو اور زیادہ سنگین بنا دیتا ہے۔ فریق ثانی بھی دوبارہ مزید اضافہ کے ساتھ زیادتی کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس طرح بُرائی ایک ایسی حد پر پہنچ جاتی ہے جس کو ختم کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔

زیادتی کا جواب برابر کی زیادتی سے دینا اگرچہ جائز ہے مگر وہ بھی منفی جذبات پیدا کرنے والا ہے اس لیے بہتر ہے کہ اُس سے پرہیز کیا جائے۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ دل کی بھڑاس تو نکل سکتی ہے مگر وہ مسئلہ کو حل کرنے والی نہیں۔

اس طرح کے نزاع کا سب سے بہتر حل یہ ہے کہ اُس کو یک طرفہ طور پر معاف کر دیا جائے۔ اس طرح کا اعلیٰ سلوک نزاع کو پہلے ہی مرحلہ میں ختم کر دیتا ہے۔ وہ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کو اخلاقی فتح عطا کرتا ہے اور بلاشبہہ اخلاقی فتح سے بڑی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں۔ اخلاقی فتح بلاشبہہ سیاسی فتح سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

اصل سبب جہالت

۲۷ فروری ۲۰۰۲ء کو مغربی ہندستان کے گودھرا ریلوے اسٹیشن پر ایک واقعہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے مشتعل ہوکر ٹرین کے ایک ڈبہ میں آگ لگادی جس میں تقریباً ساٹھ ہندو مسافر جل کر مرگئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آگ لگانے والے لوگ مسلمان تھے۔ اُس کے بعد مارچ ۲۰۰۲ء میں گجرات کے مختلف شہروں میں فرقہ وارانہ فساد بھڑک اُٹھا۔ اس فساد میں تقریباً ایک ہزار مسلمان مار ڈالے گئے اور اُن کے بہت سے گھروں اور دکانوں کو آگ لگادی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ گجرات میں اس فساد کو کرنے والے لوگ ہندو تھے۔

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں واقعات کو کرنے والا ایک ہی مشترک گروہ تھا، اور وہ ہے جاہل اور بے پڑھے لکھے لوگوں کی بھیڑ۔ گودھرا ریلوے اسٹیشن پر جن لوگوں نے ٹرین کے ڈبہ میں آگ لگائی وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے غیر تعلیم یافتہ لوگ تھے، نہ کہ مسلمان۔ اسی طرح ریاست گجرات میں جن لوگوں نے جگہ جگہ خونی فساد کیا وہ بھی اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے غیر تعلیم یافتہ لوگ تھے، نہ کہ ہندو۔ یہ لوگ اگر تعلیم یافتہ ہوتے تو ایسا واقعہ کبھی پیش نہ آتا۔

تعلیم یافتہ انسان اور غیر تعلیم یافتہ انسان میں کیا فرق ہے۔ وہ شعور اور بے شعوری کا فرق ہے۔ غیر تعلیم یافتہ انسان اپنے ناپختہ شعور کی بنا پر صرف اپنے جذبات کو جانتا ہے۔ اس کے برعکس تعلیم یافتہ انسان اپنے پختہ شعور کی بنا پر اپنے جذبات کے ساتھ اُس کے نتائج (consequences) کو بھی جانتا ہے۔

اسی فرق کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ غیر تعلیم یافتہ انسان کے جذبات کو اگر ٹھیس لگتی ہے تو وہ بھڑک کر متشددانہ کارروائی کرنا شروع کردیتا ہے، خواہ اُس کا نتیجہ زیادہ بڑے نقصان کی صورت میں خود اُس کو بھگتنا پڑے۔ اس کے برعکس اگر تعلیم یافتہ انسان کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے تو وہ حکمت اور تحمل سے کام لیتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی شعوری بیداری کی بنا پر زندگی کی اس عالمگیر حقیقت کو جانتا ہے کہ ـــــ جھوٹے

نقصان کو برداشت کرلو تاکہ تمہیں بڑے نقصان کو برداشت نہ کرنا پڑے۔

ایک بڑے شہر کے ریلوے پلیٹ فارم پر دو تعلیم یافتہ آدمی آگے پیچھے چل رہے تھے۔ پیچھے والے مسافر کے ہاتھ میں ایک بڑا بیگ تھا۔ اُس نے تیزی سے آگے بڑھنا چاہا۔ اس کوشش میں اُس کا بیگ اگلے آدمی سے ٹکرا گیا۔ اگلا آدمی اچانک پلیٹ فارم پر گر پڑا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ صرف یہ تھا کہ پیچھے والے نے معذرت کے انداز میں کہا کہ ساری (sorry)۔ اس کے بعد آگے والے نے نرمی کے ساتھ کہا کہ او کے (okay) اور پھر دونوں خاموشی کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

اس کے برعکس اگر یہ دونوں مسافر جاہل اور بے شعور ہوتے تو دونوں غصہ ہو جاتے۔ ایک کہتا کہ تم اندھے ہو۔ دوسرا کہتا کہ تم پاگل ہو۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے لڑ جاتے، خواہ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہو کہ دونوں کی ٹرین چھوٹ جائے، اور وہ اپنی منزل پر پہنچنے کے بجائے اسپتال میں داخل کر دیئے جائیں۔

اصلاح کا حقیقی طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ خرابی کی جڑ کہاں ہے۔ اس قسم کے تمام جھگڑوں کی جڑ جہالت ہے۔ اس لیے اس وقت کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں میں تعلیم کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔ پورے ملک کو مکمل طور پر تعلیم یافتہ بنا دیا جائے۔ یہی مسئلہ کی اصل جڑ ہے اور اس جڑ کو ختم کر کے فساد کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

ایک حالیہ سروے میں بتایا گیا ہے کہ ہندستان کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ریاست کیرلا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کیرلا میں جھگڑے اور فساد جیسے واقعات پیش نہیں آتے۔ اسی ملکی تجربہ میں مسئلہ کا حل چھپا ہوا ہے —— لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایئے، اور اس کے بعد فرقہ وارانہ جھگڑے اپنے آپ ختم ہو جائیں گے۔

جارج برناڈ شا نے کہا تھا کہ جس آدمی کے پاس بھلا دینے کے لیے کچھ نہیں وہی سب سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ انسان ہے۔ مستقبل کی تعمیر صرف اُس وقت ممکن ہے جب کہ پچھلی باتوں کو بھلا دیا جائے، اور بھلانے کی یہ حکمت صرف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو ان کی تعلیم نے باشعور بنا دیا ہو۔

ایک خط

برادرِ محترم محمد مسیح الدین فاروقی صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مورخہ ۳۰ مارچ ۲۰۰۲ء تحفہ کے پارسل کے ساتھ ملا، جزاکم اللہ۔ مجھے فاروقی منجن کے مقامی ڈیلر کا پتہ مطلوب تھا۔ میں نے آرڈینیری پوسٹ کارڈ پر اپنے رفیق کار برادرم ندیم احمد سنابلی سے معمولی انداز میں ایک خط لکھوا کر بھیج دیا تھا۔ ایسا میں نے اس لیے کیا تھا تاکہ میری آئیڈینٹیٹی مخفی رہے۔ مگر یہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ کا معاملہ بن گیا۔ آپ نے حیرت انگیز طور پر اس کو پہچان لیا اور تحفہ کی صورت میں مطلوب اشیاء کا ایک پارسل روانہ فرمادیا۔

اصل یہ ہے کہ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مجھے بھی دانت کی شکایت تھی۔ میں پابندی کے ساتھ سفر و حضر میں مسواک کرتا رہا ہوں۔ اسی طرح ملک کے اندر اور ملک کے باہر بننے والے ٹوتھ پیسٹ بھی استعمال کیے۔ مگر اس کے باوجود دانت میں وہی مسئلے پیدا ہو گئے جو عام طور پر دوسرے لوگوں کو پیش آتے ہیں، یعنی درد وغیرہ۔

اس کے بعد میں نے آپ کے یہاں کا بنا ہوا فاروقی منجن استعمال کیا جو پچھلے سفر حیدرآباد میں آپ نے مجھے دیا تھا۔ مگر میں بروقت اس کو استعمال نہ کر سکا تھا۔ اُس کی ایک شیشی میرے پاس باقی تھی۔ اُس کو استعمال کرنے سے حیرت انگیز طور پر دانت کی تکلیف دور ہو گئی۔ اس تجربہ کی بنا پر میں نے مقامی ڈیلر کا پتہ معلوم کرنے کے لیے وہ کارڈ آپ کے دفتر کے نام بھجوایا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ آپ کے دفتر کے کارکن مجھ سے بخوبی واقف ہیں، ورنہ یہ صورت حال پیش نہ آتی۔

یہاں میں اپنا ایک اور احساس درج کرنا چاہتا ہوں۔ تقریباً تیس سال پہلے، الجمعیۃ ویکلی میں میں نے چند مضامین شائع کیے تھے۔ اُن میں میں نے لکھا تھا کہ مسلم طب، جو عام طور پر یونانی طب کے نام سے مشہور ہے، وہ امکانی طور پر مغربی طب سے بدرجہا زیادہ فائق حیثیت رکھتی ہے۔ مغربی

طب کی بنیاد جراثیم (بیکٹریا) کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ خارجی جراثیم انسان کے جسم میں داخل ہو کر بیماری پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے مغربی طب میں زہریلی دواؤں کے ذریعہ ان جراثیم کو ہلاک کیا جاتا ہے تاکہ انسان کو مرض سے بچایا جا سکے۔ مگر یہ طریقہ دودھاری تلوار کی مانند ہے۔ وہ اگر مفروضہ جراثیم کو ہلاک کرتا ہے تو اسی کے ساتھ وہ خود انسان کے لیے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ نیز تجربہ بتاتا ہے کہ جب اس قسم کی ایک دوا کو کچھ عرصہ تک استعمال کیا جائے تو جراثیم کے اندر مقاومت (resistance) پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ ان جراثیم کو ہلاک کرنے کے لیے زیادہ شدید دوا استعمال کی جائے۔ اس طرح جراثیم کشی کا عمل آخر کار انسان کشی کے ہم معنی بن جاتا ہے۔

قدیم یونانی طِب جس کو مسلمانوں نے مزید ترقی دے کر ایک مکمل فن بنا دیا تھا اُس کا اُصول علاج اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ طبیعت مدبّرۂ بدن کے اصول پر قائم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی جسم میں فطری طور پر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مرض کا مقابلہ کر کے اُس کو دفع کرتی رہے۔ جدید حیاتیات میں اس پر کافی ریسرچ ہوئی ہے۔ اس کو اصطلاحی طور پر مقاومت (immunity) کہا جاتا ہے:

> The ability of an organism to resist infection, by means of the presence of circulating antibodies and white blood cells. (Concise Oxford dictionary)

اس موضوع پر کافی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں امیونٹی (immunity) کے عنوان سے تفصیلی مقالہ شامل ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مستند کتاب کا نام یہ ہے:

Genitics of the Immune Response, 1968.

مغربی طب جراثیم کشی کے اصول پر قائم ہے جو خود ایک بیماری ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسلم طِب یا قدیم طب کا اصول یہ ہے کہ جسم کے تدبیری نظام کو تقویت دی جائے۔ اور اُس کو متحرک کر کے فطری انداز میں مرض کا علاج کیا جائے۔ بعض ہنگامی حالات میں استثنائی طور پر بعض دوسرے

طریقوں، مثلاً آپریشن کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ مگر عام حالات میں فطرت کا نظام ہی حفظان صحت کے لیے کافی ہے۔ حیوانات کے اندر یہی نظام حیوانات کی صحت کا ضامن بنا رہتا ہے۔

میں نے الجمعیۃ ویکلی میں لکھا تھا کہ حکیم اجمل خاں (وفات ۱۹۳۰) جو طب میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، انہوں نے طب قدیم کی اس امتیازی اہمیت کو جان لیا تھا۔ وہ دہلی میں ایک طبی یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے تھے جہاں ریسرچ کے جدید طریقوں کو استعمال کر کے مسلم طب کو زمانہ حال کے مطابق ترقی دی جائے۔ اس کے لیے اُنہوں نے قرول باغ میں ایک وسیع زمین بھی حاصل کر لی تھی۔ مگر اُس زمانہ میں کچھ مسلم لیڈروں نے جو منفی سیاست چلا رکھی تھی، وہ بدقسمتی سے اُس کا شکار ہو گئے۔ اُن کی زندگی کے آخری نہایت قیمتی بارہ سال اس بے فائدہ سیاست میں ضائع ہو گئے۔ طب کے احیاء جدید کا خواب پورا نہ ہو سکا اور اُس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکیم اجمل خاں جیسا مجتہدانہ صلاحیت رکھنے والا طبیب دوبارہ اس فن کے لئے حاصل نہیں ہوا۔

فاروقی منجن کے تجربہ نے مجھے یہ باتیں یاد دلا دیں۔ فاروقی منجن مذکورہ طبی اُصول پر بنایا گیا ہے۔ اور میرے تجربہ کے مطابق، وہ مغربی ٹوتھ پیسٹ سے زیادہ مفید ہے۔ آج مغربی طب کو غلبہ حاصل ہے اور مسلم طب بظاہر مغلوب ہے۔ لیکن اگر مسلم طب کے مذکورہ امکان کو جدید طرز پر زندہ کیا جائے تو صورت حال برعکس ہو جائے گی۔ زندہ طلسمات کے بارے میں بھی میرا تجربہ یہی ہے۔

موجودہ زمانہ میں حکیم عبدالحمید دہلوی (وفات 1999) نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ اُن کے بھائی حکیم محمد سعید دہلوی جو ملک کی تقسیم کے بعد کراچی میں آباد ہو گئے تھے، وہ مسلم طب کے احیاء جدید کے لیے زیادہ بڑے پیمانہ پر یہی کوشش انجام دے رہے تھے، مگر جیسا کہ معلوم ہے، کراچی میں ۱۹۹۸ء میں اُن کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ ہمارے لیڈروں نے جو پاکستان اسلام کے قلعہ کے طور پر بنایا تھا، وہ عملاً اس کے برعکس ثابت ہوا۔

نئی دہلی، ۵/اپریل ۲۰۰۲ دعا گو وحیدالدین

ایک خط

برادر محترم مولانا محمد عمر عابدین قاسمی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا مقالہ بعنوان ''ہندستان میں دعوتِ اسلام۔ تاریخ، مواقع اور امکانات'' پڑھا۔ یہ ایک جامع تحریر ہے۔ آپ نے کامیابی کے ساتھ ہندستان میں دعوت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا ہے، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

اسلام میں دعوت کی اہمیت میرے مطالعہ کا خاص موضوع رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دورِ اوّل میں ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا جو واقعہ پیش آیا، اس نے ہمیشہ کے لئے اسلامی دعوت کا رُخ متعین کر دیا۔ صلح حدیبیہ کا پیغام ایک لفظ میں یہ تھا کہ صُلح کا ماحول قائم کرو اور اسلام کی اشاعت اپنے آپ ہونے لگے گی۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف صُلح حدیبیہ کے بعد اُترنے والی سورت میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: انا فتحنا لک فتحا مبینا (الفتح ۱)۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ فریق ثانی کے ساتھ صلح کرنا اسلام کے لیے فتح مبین کا ذریعہ ہے۔ مصالحانہ رویہ اختیار کرنا اسلام کے لیے پُرامن فاتحانہ اقدام کا راستہ کھولتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے ہندستان میں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معتدل تعلقات قائم کیے جائیں۔ یک طرفہ اعراض کے ذریعہ امن کے ماحول کو برقرار رکھا جائے۔ اس کے بعد اسلام کی نظریاتی اشاعت اپنے آپ ہونے لگے گی۔ ہندستانی صوفیاء کا تجربہ اس معاملہ کی ایک تاریخی مثال ہے۔ اُن کے زمانہ میں اسلام کی اشاعت کا خاص سبب یہی تھا کہ اُنہوں نے اپنی صلح کُل کی پالیسی کے ذریعہ فرقہ وارانہ کشیدگی کے ماحول کو ختم کر دیا تھا۔

موجودہ دنیا کا نظام آزاد مسابقت کے اصول پر بنایا گیا ہے۔ اس بنا پر موجودہ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک فریق کو دوسرے فریق سے شکایتیں پیدا ہوں۔ یہ ایک فطری امر ہے جو ہمیشہ اور ہر سماج میں باقی رہے گا حتی کہ خود مسلم سماج کے درمیان بھی۔ ان شکایتوں کا حل شکایت کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ

اُن سے اعراض کرنا ہے۔ میرے نزدیک، عملی اعتبار سے دعوت کا یہی سب سے زیادہ اہم نکتہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت تمام تر صبر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جتنا زیادہ صبر اتنا ہی زیادہ دعوت۔

میں اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ ہندستان کے مسلمان صرف یہ کریں کہ وہ کچھ نہ کریں۔ اور اس کے بعد اسلام اپنے آپ پھیلنے لگے گا۔ اسلام کی اصل طاقت یہ ہے کہ وہ دین فطرت ہے۔ یعنی جو اسلام ہے وہی انسانی فطرت ہے، اور جو انسانی فطرت ہے وہی اسلام ہے۔ اس لیے جہاں مصنوعی نفرت اور کشیدگی کا ماحول نہ ہو وہاں اسلام خود اپنے زور پر بندگان خدا کے دلوں میں جگہ پکڑنے لگے گا۔

برادرانِ وطن کی طرف سے بعض اوقات اسلام کے خلاف باتیں سامنے آتی ہیں۔ اس سے مسلمانوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ یہ لوگ اسلام سے عناد رکھتے ہیں۔ یہ سراسر بے اصل بات ہے۔ یہ مخالفانہ باتیں جو لکھی اور بولی جاتی ہیں، بظاہر وہ اسلام کے حوالہ سے ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ قومی اور سیاسی شکایت کا مظہر ہوتی ہیں۔ مسلمان اگر اس حکمت کو جانیں اور برادرانِ وطن کے مقابلہ میں قومی اور سیاسی شکایت کا ماحول ختم کر دیں تو اس کے بعد وہ دیکھیں گے کہ کسی کو بھی اسلام کے خلاف نہ نفرت ہے اور نہ عناد۔

ہندستان میں اسلام کی جو اشاعت ہوئی ہے وہ زیادہ تر ملک کے پسماندہ طبقات یا غیر تعلیم یافتہ عوام کے درمیان ہوئی۔ یہ لوگ فطری طور پر شعوری انقلاب کے نتیجہ میں اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ وہ دوسرے اضافی اسباب کے تحت اُس میں داخل ہوئے، مثلاً برکت یا سماجی برابری جیسی چیزوں کی کشش کی بنا پر۔ یہ عوام جب اسلام میں داخل ہوئے تو وہ اپنے پچھلے مذہب کی رسوم و روایات بھی اپنے ساتھ لائے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندستان میں بدعات کا جو زور ہے وہ عرب ملکوں میں موجود نہیں۔ بدعات کیا ہیں، بدعات دراصل ہندوؤں کی مشرکانہ رسموں کا اسلامائزیشن ہیں۔ ہندستان میں سماجی ناانصافی کا ماحول اسلام کی اشاعت کے لیے بہت مددگار ثابت ہوا۔ مگر اسی کا دوسرا نتیجہ وہ مسائل بھی ہیں جن کو ہم بدعات کہتے ہیں۔ اور جن میں اس ملک کے، پچاس فیصد سے زیادہ مسلمان مبتلا ہیں۔

اس علاقہ میں اسلامی دعوت کی جو منصوبہ بندی کی جائے اُس میں اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھنا

بے حد ضروری ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام آج کی دنیا میں حقیقی معنوں میں غالب دین کی حیثیت سے ابھرے تو اسلام کو علم کے زور پر اٹھانا ہوگا، نہ کہ برکت اور فضائل کے زور پر۔ اسلام کے غلبہ سے مراد سیاسی غلبہ نہیں ہے بلکہ فکری اور نظریاتی غلبہ ہے۔ اسلام کو فکری غلبہ اُسی وقت مل سکتا ہے جب کہ اُس کو اس طرح دنیا کے سامنے لایا جائے کہ وہ دوسرے معاصر افکار کے مقابلہ میں لوگوں کو برتر فکر دکھائی دے۔

برکت اور فضائل کا اسلوب صرف عوام کو متاثر کرسکتا ہے، وہ ہرگز خواص کو متاثر کرنے والا نہیں۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ کسی سماج یا کسی انسانی گروہ کے درمیان کسی فکر کو غالب فکر کی حیثیت اُس وقت ملتی ہے جب کہ اُس سماج یا اُس گروہ کے خواص اُس فکر کو کھلے طور پر اپنالیں۔ دوراول کے مکہ میں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق، اسی طرح دوراول کے مدینہ میں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے قبولِ اسلام کے بعد پیدا ہونے والے موافق حالات اس کا تاریخی ثبوت ہیں۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کا خطاب سب سے پہلے اپنی قوم کے خواص سے ہوتا تھا۔ یہ حقیقت قرآن کی اُن آیات سے معلوم ہوتی ہے جن میں قوم کے جواب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **وقال الملاء الذین کفروا من قومه**۔

قرآن میں جن لوگوں کو ملاءِ قوم (سردار قوم) کہا گیا ہے وہ دراصل وقت کے خواص یا وقت کے ذہین لوگ (intellectuals) تھے۔ کسی قوم کے ذہین لوگ دراصل قوم کے مزاج ساز (opinion makers) ہوتے ہیں۔ وہی عوام کے فکر وعمل کا رُخ متعین کرتے ہیں۔ بسااوقات ایک شخص پوری قوم میں زندگی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ کسی نے درست طور پر کہا ہے: **رجُلٌ ذُو همة یُحی الأمةَ**۔

اس حقیقت کو حدیث میں ان الفاظ میں بتایا گیا ہے: **خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام**۔ دین میں خواص کی یہی اہمیت ہے جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں یہ دعا فرمائی: **اللّٰهم اعز الإسلام باحد العمرین**۔ آغاز اسلام کے وقت مکہ میں دو بے حد ذہین آدمی تھے،

عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے بارے میں مذکورہ دعا فرمائی۔ اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ ذہن کی دین میں کتنی زیادہ اہمیت ہے۔

آپ نے اپنے مقالہ میں بارہویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ذکر کیا ہے اور اُن کو اس معاملہ میں ''اُسوہ'' کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے:

تاریخ بتاتی ہے کہ خواجہ اجمیری جب افغانستان سے ہندستان آئے تو اُس وقت راجستھان میں جہاں آپ نے قیام فرمایا تھا، پرتھوی راج کی حکومت تھی۔ جب اُس نے آپ کا چرچا سنا تو وہ آپ کو ستانے اور پریشان کرنے کے درپے ہو گیا۔ آپ کو تکلیف پہنچائیں۔ مگر آپ نے کبھی اس کی حرکتوں کا بُرا نہیں مانا اور اس کے خلاف سیاسی ٹکراؤ کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ آپ پوری طرح دعوت کے کام میں یکسو رہے، اور لوگوں کے قلوب کو فتح کرنے کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ پرتھوی راج بھی خواجہ اجمیری کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہو گیا۔

آپ کا یہ بیان بالکل درست ہے۔ خواجہ معین الدین اجمیری نے کام کا جو طریقہ اختیار کیا، بلاشبہہ وہی طریقہ آج بھی سب سے زیادہ مفید اور مؤثر طریقہ ہے۔ میں اللہ کی توفیق سے اسی طریقہ کا مبلّغ ہوں اور عملاً اسی پر کاربند ہوں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ موجودہ مسلمان خواجہ اجمیری کا تو زبردست اعتراف کرتے ہیں لیکن آج اگر کوئی شخص ان کے طریقہ کو موجودہ حالات میں زندہ کرنا چاہے تو اس کے اوپر فرضی الزام لگا کر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔

نئی دہلی ۷ ۲ مارچ ۲۰۰۲ء   دعا گو   وحید الدین

خبر نامہ اسلامی مرکز ۱۵۴

۱ ای ٹی وی، نئی دہلی (EENADU Television) کی ٹیم نے ۱۶ جولائی ۲۰۰۱ء کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو مسٹر باری مسعود تھے جو کہ سینئر کرسپانڈنٹ ہیں۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر پرویز مشرف کی پالیسی سے تھا۔ جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ پرویز مشرف اپنی تقریر میں حقیقت پسندی اور تدریج کا نام لیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ منزل متعین کر چکے ہیں اور اس کی طرف زینہ بزینہ بڑھنا چاہتے ہیں۔

۲ ہندی روزنامہ راشٹریہ سہارا (نئی دہلی) کے نمائندہ منوج مہتا نے ۳۱ راگست ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں ہندستانی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ ہمارے یہاں ساری تحریکیں ادھیکار پر چلتی ہیں، حقوق پر نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ڈیوٹی پوری کرو، حقوق اپنے آپ ملیں گے۔

۳ ای ٹی وی، نئی دہلی (EENADU Television) کی ٹیم نے ۳ ستمبر ۲۰۰۱ء کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ائمہ مساجد کے بارے میں تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ زیادہ تر امام اپنی مذہبی ذمہ داریوں کی حد تک اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں۔ البتہ بعض امام ایسے ہوسکتے ہیں جو سیاسی ذہن رکھتے ہوں۔ مگر جہاں تک اسلامی اصول کا تعلق ہے، مسجدوں میں سیاسی باتیں کرنا یا مسجدوں کو سیاسی مرکز بنانا درست نہیں۔

۴ دوردرشن (نئی دہلی) کے پروگرام صبح سویرے کے لئے دوردرشن کی ٹیم نے ۲۶ ستمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کو نیویارک میں ہونے والے واقعہ کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ یہ واقعہ ہر اعتبار سے غلط اور قابلِ مذمت تھا۔ مگر آتنک واد کے مسئلہ کا حل صرف بم نہیں ہے بلکہ لوگوں کی سوچ کو بدلنا ہے۔ امریکہ کا جوابی حملہ اصولاً درست ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے وہ مسئلہ کو ختم کرنے والا نہیں بن سکتا۔

۵ ڈی ڈی نیوز (نئی دہلی) کی ٹیم نے ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ

کیا۔ یہ انٹرویو خاص طور پر جہاد کے بارے میں تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ قرآن میں جہاد بالقرآن کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی جہاد اصلاً ایک پر امن نظریاتی جدوجہد کا نام ہے۔

۶ سری سروج نیندرا سرسوتی پرتشٹھان کی طرف سے کانسٹی ٹیوشن کلب، نئی دہلی میں ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ کو دستور میں روحانیت (Spirituality in the Constitution) کے موضوع پر ایک سیمنار ہوا۔ اس میں خصوصی طور پر ماہر قانون کو بلایا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔

۷ دہلی پریس پتر پرکاشن کے نمائندہ مسٹر جے پرکاش پانڈے نے ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمان اس ملک میں مظالم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ افغانستان میں جو کچھ ہوا وہ شرعی جہاد نہیں تھا۔ لڑنا بھڑنا افغانی کلچر کا ایک حصہ ہے۔ یہ افغانی کلچر کا اظہار تھا، نہ کہ اسلامی جہاد۔

۸ نیویارک کے ٹائم میگزین کے نمائندہ مینا کشی گنگولی نے ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق خاص طور پر اسلامی جہاد کے مسائل سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلامی جہاد (بمعنی قتال) انٹرنیشنل نارم سے الگ کوئی چیز نہیں۔ دنیا کے مسلمہ قانون کے مطابق، دفاع ہر ایک کا حق ہے۔ اس دفاع کو اسلام میں جائز بتایا گیا ہے۔ دفاع کے سوا دوسری قسم کی کوئی جنگ مثلاً گوریلا وار، پراکسی وار، ایگریسیو وار، اَن ڈیکلیرڈ وار (undeclared war) یا اور کسی قسم کی وار اسلام میں جائز نہیں۔

۹ ساؤتھ ایشین فریٹرنٹی پاکستان کے انفارمیشن سکریٹری، محمد شہباز نے ۱۱ نومبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ موضوع ہند۔ پاک تعلقات تھا۔ ہندستانی مسلمانوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہاں کے مسلمان برابر ترقی کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد اب ۲۲ کروڑ ہو چکی ہے جو پاکستان سے بہت زیادہ ہے۔ ہند۔ پاک تعلقات کے بارے میں کہا گیا کہ

پاکستان کو چاہئے کہ وہ ماضی کو یکسر بھلا کر حقیقت پسندی کی بنیاد پر نئی منصوبہ بندی کرے۔

۱۰ نیو ورلڈ موومنٹ (نئی دہلی) کی طرف سے ۱۸ نومبر ۲۰۰۱ کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں ایک سیمنار ہوا۔ اس کا موضوع عالمی دہشت گردی تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے اظہار خیال کیا۔

۱۱ ایرانی نیوز ایجنسی (IRNA) کے نمائندہ مسٹر نوید جمال نے ۲۲ نومبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ان کے سوالات کا تعلق زیادہ تر ویسٹ ایشیا کے مسلم ممالک کے حالات سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ ویسٹ ایشیا کے ممالک کے مسائل کی جڑ صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنی پالیسی کو حقائق کی بنیاد پر بنائیں۔ ان ملکوں نے ابھی تک وقت کے حقائق کو تسلیم نہیں کیا ہے اس لئے وہ مسائل کے شکار ہیں۔

۱۲ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۸ دسمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر صلح حدیبیہ کے موضوع پر نشر کی گئی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا: صلح حدیبیہ کوئی وقتی واقعہ نہیں۔ وہ زندگی کا اصول ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ٹکراؤ کو اوائڈ کر کے مواقع کار حاصل کرو۔ یہی اس دنیا میں کامیابی کا راز ہے۔

۱۳ وائی ایم سی اے (YMCA) نئی دہلی کے ہال میں ایک آل انڈیا سیمنار ہوا اس کا عنوان تھا:

Faith and Human Relationships

اس موقع پر صدر اسلامی مرکز کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس موضوع پر اسلام کے حوالہ سے ایک لکچر دیں۔ ۸ دسمبر ۲۰۰۱ کے اجلاس میں انہوں نے اپنا لکچر دیا۔ حاضرین نے اس کو بہت پسند کیا اور کہا کہ آج اسلام کے بارہ میں ہماری بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

۱۴ راشٹریہ سہارا ہندی (نئی دہلی) کے نمائندہ تیج بہادر یادو نے ۸ دسمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ مدرسہ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ مدرسہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ مدرسہ رہا ہے۔ مدرسہ کا کوئی تعلق آتنک واد سے نہیں۔ وہاں تو

صرف مذہب اور اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۵ ''ہم سب ایک ہیں'' نامی تنظیم کی طرف سے ۱۹ دسمبر ۲۰۰۱ کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں ٹررزم پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک تقریر کی۔

۱۶ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۱ کو سہارا ٹی وی کی ٹیم نے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس کا تعلق برصغیر کے موجودہ حالات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اس کی غلطی کیا ہے، دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں۔ دوسرے یہ کہ جنگ کو ہر قیمت پر روکنا چاہئے۔ جنگ میں کسی فریق کا بھی فائدہ نہیں۔

۱۷ ۲۲ دسمبر ۲۰۰۱ کو مسیح گڑھ چرچ کامپلکس (نئی دہلی) میں ایک اجتماع ہوا۔ یہ مسلم۔ کرسچین ڈائیلاگ تھا۔ ان کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور کی نوٹ ایڈریس کے طور پر ایک تقریر کی۔ اس میں مسلمان اور کرسچین دونوں شریک ہوئے۔ تقریر میں انہوں نے کہا کہ ڈائیلاگ کوئی مناظرہ یا ڈیبیٹ نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے سے سیکھنا اور مشترک عمل کی راہیں تلاش کرنا ہے۔ اس طرح ڈائیلاگ ہر فریق کے لئے مفید بن سکتا ہے۔

۱۸ چائلڈ رائٹس، نئی دہلی (The Child's Rights Bulletin) کے ایڈیٹر جوزف گاتھیا (Joseph Gathia) نے ۲۳ دسمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلہ سے تھا۔ جواب میں کہا گیا کہ اسلام میں لڑکیوں کی تعلیم کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ لڑکوں کی تعلیم کی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام لڑکیوں کی تعلیم کو پسند نہیں کرتا۔

۱۹ مسٹر ودود ساجد نے ماہنامہ سیکولر قیادت (نئی دہلی) کے لئے صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ۲۵ دسمبر ۲۰۰۱ کو ریکارڈ کیا گیا۔ یہ انٹرویو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی شائع کیا جائے گا۔ اس میں اسلامی جہاد کا تصور تفصیل کے ساتھ بتایا گیا، تاریخی اعتبار سے بھی اور نظریاتی اعتبار سے بھی۔

۲۰ ریسرچ اسکالر مسٹر دیپک ورما (نئی دہلی) نے ۲۸ دسمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ان کے سوالات زیادہ تر روحانیت، سائنس اور مذہب سے متعلق تھے۔ جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ روحانیت کے دو مختلف تصورات ہیں۔ ایک تصور وہ ہے جو وحدت الوجود (مانزم) پر مبنی ہے۔ اس کا طریقہ دھیان گیان ہے۔ روحانیت کا دوسرا تصور توحید کے عقیدہ پر مبنی ہے۔ اس کا طریقہ خدا کا ذکر اور خدا کی عبادت پر مبنی ہے۔

۲۱ بی بی سی لندن کے ریلیجس رپورٹر مسٹر مارٹن اسٹوٹ (Martin Stott) نے ۲۸ دسمبر ۲۰۰۱ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ان کے سوالات کا تعلق زیادہ تر مسلمانانِ عالم کے موجودہ مسائل سے تھا۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا موقف اکثر معاملات میں غیر حقیقت پسندانہ ہوجاتا ہے۔ اس کا کم از کم ایک سبب امت کا سیاسی تصور ہے۔ یہ تصور سید جمال الدین افغانی نے شروع کیا تھا جو پان اسلامزم کے نام سے مشہور ہوا۔ مذہبی اعتبار سے مسلمان بلاشبہ ایک عالمی امت ہیں مگر سیاسی اعتبار سے ان کی قومیت ہوم لینڈ کے تصور قومیت پر مبنی ہوگی۔

۲۲ مہابیر انٹرنیشنل کے زیر انتظام بمبئی میں نان وائلنس پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور ۳۰ دسمبر ۲۰۰۱ کے اجلاس میں نان وائلنس اور اسلام کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کا اصل نشانہ دل اور دماغ کی تبدیلی ہے۔ اس لئے اسلام ہر حال میں امن چاہتا ہے کیوں کہ دل اور دماغ کی تبدیلی کا کام پُرامن حالات ہی میں ہوسکتا ہے۔

۲۳ ماہنامہ الرسالہ کا ہندی ایڈیشن بمبئی سے نکلنا شروع ہوگیا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ جنوری ۲۰۰۲ پر مشتمل ہے۔ ہندی الرسالہ کا افتتاحی پروگرام ۳۰ دسمبر ۲۰۰۱ کو بمبئی میں ہوا جس میں اس کا پہلا شمارہ جاری کیا گیا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس افتتاحی پروگرام میں شرکت کی اور ہندستان میں اسلامی دعوت کی اہمیت پر ایک تقریر کی۔ ہندی الرسالہ کا پتہ اردو الرسالہ کے ہر شمارہ میں

دیکھا جاسکتا ہے۔ لوگوں کے خطوط اور پیغامات سے اندازہ ہوا کہ مختلف مقامات کے لوگ ہندی الرسالہ کے اجراء کا اہمیت کے ساتھ استقبال کر رہے ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا تعاون پیش کر رہے ہیں۔

۲۴ دوحہ میں ۳۱-۳۰ دسمبر ۲۰۰۱ کو ریاست قطر اور یونیسکو کے تعاون سے ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ اس کا موضوع یہ تھا: ثقافتی وراثت کا تحفظ (Preservation of Cultural Heritage) اس موقع پر صدر اسلامی مرکز کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک پیپر پیش کریں۔ پیپر تیار ہو گیا تھا مگر بعض اسباب کی بنا پر سفر نہ ہو سکا۔ تاہم یہ پیپر ای میل کے ذریعہ کانفرنس کے ذمہ داروں کو بھیج دیا گیا۔

۲۵ نئی دہلی میں کناڈا کے ہائی کمیشن کے کونسلر، لوئی سمارڈ (Louis Simard) نے ۱۰ جنوری ۲۰۰۲ء کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی اور اپنی ایک زیر تیاری رپورٹ کے لئے ہندستانی مسلمانوں کے لئے معلومات حاصل کیں۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی ترقی کے مواقع ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ قدیم جذباتی انداز کو ترک کر دیا جائے اور حقیقت پسندانہ انداز میں ان مواقع کو استعمال کیا جائے۔

۲۶ ڈالی ودھوا (Dolly Wadhwa) نے راشٹریہ سہارا کے لئے ۱۳ جنوری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق مذہبی کنورژن سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مذہبی آزادی کے دور میں کنورژن پر پابندی لگانا ممکن نہیں۔

۲۷ انڈپنڈنٹ نیوز سروس، نئی دہلی، کی اسپیشل کرسپانڈنس، انیتا شرما نے ۱۵ جنوری ۲۰۰۲ کو ''آج کی بات'' (Star Plus) کے لئے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر مسلم خواتین سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ برقعہ نہ پہننے پر مسلم خاتون کے اوپر تیزاب پھینکنا ایک سخت جرم ہے، نہ کہ کوئی اسلامی فعل۔ تعلیم کے بارے میں بتایا گیا کہ مسلم خواتین کی تعلیم بے حد ضروری ہے۔

۲۸ ۲۵ جنوری ۲۰۰۲ کو روزنامہ ہندستان (نئی دہلی) کے نمائندہ سشیل شرما نے الیکشن اور مسلمان کے مسئلہ پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندستانی مسلمانوں کی انتخابی سیاست فرقہ وارانہ بنیادوں پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ ملکی اور قومی سوچ کے تحت ہونا چاہئے۔ جہاں تک الیکشن کا تعلق ہے، ہندستانی مسلمانوں کا مفاد دوسرے فرقوں سے الگ نہیں۔

۲۹ بشپ ہال (نئی دہلی) میں ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ کو ایک مشترک سیمنار ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور ''پیس اینڈ ہارمنی اِن اسلام'' کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ پیس اینڈ ہارمنی فطرت کا اصول ہے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اس میں فطرت کے تمام قوانین کی رعایت موجود ہے۔ اسلام میں امن کی حیثیت عموم کی ہے اور جنگ کی حیثیت صرف ایک استثناء کی۔

۳۰ آرچ ڈیو سیز آف ڈلہی (Archdiocese of Delhi) کی طرف سے ایک انٹر ریلیجس سیمنار آرچ ڈیوسسن کمیونٹی ہال (گول ڈاکخانہ) میں ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ کو منعقد کیا گیا۔ پیس اور ہارمنی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر پر صدر اسلامی مرکز نے ایک تقریر کی۔

۳۱ شانتی گری آشرم (نئی دہلی) کے افتتاح کے موقع پر ایک فنکشن ۳ فروری ۲۰۰۲ کو ہوا۔ اس میں شہر کے ممتاز لوگ شریک ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور روحانیت کے موضوع پر انگریزی میں ایک تقریر کی۔

۳۲ راشٹریہ سہارا (ہندی) کے لئے مسٹر ودود ساجد نے ۴ فروری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ٹیلی فون پر ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر بابری مسجد۔ رام مندر کے مسئلہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ نزاعی مسئلہ کو اول مرحلہ میں مکمل طور پر ختم کر دینا چاہئے۔ نزاعی مسئلہ کو باقی رکھنا اس کو مزید بڑھانے کا سبب ہوتا ہے۔

۳۳ تہلکہ ڈاٹ کام (نئی دہلی) کے سینئر کرسپانڈنٹ شمیا داس گپتا (Shamya Das Gupta) نے

۱۰ فروری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو خاص طور پر اسلامی جہاد کے موضوع پر تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ جہاد لازماً قتال کے معنی میں نہیں ہے۔ اور اگر توسیعی طور پر جہاد کو مسلح جہاد کے معنی میں لیا جائے تب بھی اسلام میں اس کی کڑی شرطیں ہیں۔ مثلاً اسلام میں صرف دفاعی جنگ ہے۔ کوئی اور جنگ اسلام میں جائز نہیں۔ اسی طرح اسلام میں صرف قائم شدہ اسٹیٹ جنگ کر سکتی ہے اور خود اسلامک اسٹیٹ کے لئے بھی کھلا اعلان ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں دفاعی جنگ کے سوا گوریلا وار، پراکسی وار یا بلا اعلان جنگ اور جارحانہ جنگ قطعاً جائز نہیں۔

۳۴ سینٹ کولمبس اسکول (نئی دہلی) میں ۱۹ فروری ۲۰۰۲ کو عیسائی ٹیچر اور فادر کا ایک اجتماع ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اسلام کے تعارف پر ایک گھنٹہ کی تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا سیشن تھا۔ زیادہ تر سوالات اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں سے متعلق تھے۔ یہ پورا پروگرام انگریزی میں ہوا۔

۳۵ سہارا ٹی وی (نئی دہلی) نے ۱۹ فروری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ کہا جاتا ہے کہ میڈیا موجودہ زمانہ میں اسلام کے بارے میں غلط فہمی پھیلا رہا ہے، اس کا حل کیا ہے۔ جواب میں کہا گیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اُس کے سبب کو دور کیا جائے۔ اس کا اصل سبب میڈیا نہیں ہے بلکہ خود مسلمان ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ہر مذہبی گروہ کے لوگ کہیں نہ کہیں تشدد کی تحریک چلا رہے ہیں۔ اُن کی سرگرمیاں میڈیا میں بھی آتی ہیں۔ مگر اس سے اُن کا مذہب بدنام نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یہ لوگ اپنی متشددانہ تحریک اپنے مذہب کے نام پر نہیں چلاتے بلکہ اپنے مادّی مفاد کے نام پر چلاتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی متشددانہ تحریکوں کو اسلامی جہاد کے نام پر چلا رہے ہیں۔ اس لیے وہ میڈیا میں اسلامی جہاد کے عنوان سے رپورٹ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دوسرے فرقوں کی طرح اپنی متشددانہ تحریک کو اپنے مادّی مفاد کے نام پر چلائیں تو اپنے آپ اسلام کی بدنامی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی یہ متشددانہ

تحریکیں یقینی طور پر اپنے مادّی مفاد کے نام پر چلائی جارہی ہیں۔ اُن کو اسلامی جہاد بتانا بلاشبہ ایک غلط انتساب ہے۔ مگر میڈیا ایسے کسی فعل کو اُسی نام سے رپورٹ کرے گا جس نام سے وہ چلائی جارہی ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مسلمان اسلام کے نام پر تشدد کریں اور میڈیا اُس کی رپورٹ اس طرح کرے کہ وہاں لوگوں کو اسلامی پھول پیش کئے گئے۔

۳۶ دہلی پالیسی گروپ کے زیر اہتمام نئی دہلی کے انڈیا ہیبیٹ سنٹر (India Habitat Centre) میں ۱۹۔۲۰ فروری ۲۰۰۲ کو "اسلام میں جنگ و امن" پر ایک سیمنار ہوا۔ اس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے وار اینڈ پیس اِن اسلام (War and Peace in Islam) کے موضوع پر ایک تقریر کی۔

۳۷ ڈی ڈی نیوز (نئی دہلی) کے لئے رام کانت، کرسپانڈنٹ نے ۲۰ فروری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو زیرو آور (Zero Hour) کے لئے ریکارڈ کیا۔ امریکہ اور افغانستان کے درمیان جنگ کے بارے میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے بتایا گیا کہ اس میں آخر کار دونوں ہی ملک گھاٹے میں رہیں گے۔ جنگ اور تشدد کے ذریعہ کوئی مثبت فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔

۳۸ ڈان باسکو اسکول (نئی دہلی) میں ۲۱ فروری ۲۰۰۲ کو ایک سیمنار ہوا۔ اس کا موضوع تھا: مذاہب کے درمیان اتحاد۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور اسلام کے نقطۂ نظر سے اس موضوع پر انگریزی میں ایک تقریر کی۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ مذاہب کے فرق اور اختلاف کو مٹانے کی بات کرنا غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ قابل عمل بات یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود اتحاد کے فارمولے کو مان لیا جائے۔

۳۹ اسپریچول انٹرفیتھ کی ٹیم نے ۲۴ فروری ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مدرسہ اور اسکول سے ذہن نہیں بنتا بلکہ اس پورے ماحول سے ذہن بنتا ہے جس میں طالب علم زندگی گزارتا ہے۔

۴۰ جواہر لال نہرو یونیورسٹی (نئی دہلی) میں ۲ مارچ ۲۰۰۲ کو ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ تشدد کے حالیہ

واقعات پر ہوا تھا۔ ۲۷ فروری ۲۰۰۲ کو گودھرا ریلوے اسٹیشن پر سابرمتی اکسپریس میں ۶۰ سے زیادہ آدمیوں کو جلا کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے ردعمل میں گجرات اور دوسرے مقامات پر تشدد کے نہایت سنگین واقعات ہوئے۔ اس کے پس منظر میں یہ جلسہ کیا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور وہاں ایک تقریر کی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ تشدد کسی مسئلہ کا حل نہیں۔ ملک کی ترقی امن اور پیار محبت کے ساتھ ہو سکتی ہے، نہ کہ تشدد کے ذریعہ۔ آزاد ہندستان کے معماروں نے ملک کی تعمیر کے بارے میں جو خواب دیکھا تھا اس کی تکمیل صرف پر امن ماحول ہی میں ہو سکتی ہے۔

۴۱ ونے کمار ٹھاکر نے راشٹریہ سہارا ہندی کے لئے ۴ مارچ ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ آج کل جو تشدد جاری ہے اس کا حل کیا ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ تشدد کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ جوابی تشدد سے مکمل اعراض کیا جائے، لفظی اعتبار سے بھی اور عملی اعتبار سے بھی۔

۴۲ راما کرشنا مشن کے تحت نئی دہلی میں ۵ مارچ ۲۰۰۲ کو ایک سیمنار ہوا۔ اس کا موضوع تھا:

How to promote Pluralistic Culture in today's context

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اس موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ باہمی احترام کی بنیاد پر یہ اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ یہی اسلام کا اصول ہے۔ اسلام اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے باہمی احترام کی بنیاد پر سوشل ہارمنی قائم کرنا چاہتا ہے۔

۴۳ مسٹر اننت مِتّل نے ۶ مارچ کو صدر اسلامی مرکز سے انٹرویو لیا۔ وہ ایک فری لانس جرنلسٹ ہیں۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر گجرات میں ہونے والے فسادات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ بہت جلد ملک سے اس قسم کے فسادات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ خاتمہ ضمیر کی طاقت کے زور پر ہوگا۔ جب سیاسی ذمہ دار اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اس وقت انسانی ضمیر بیدار ہو کر اپنا کام کر دیتا ہے۔

۴۴ نیو ورلڈ موومنٹ (نئی دہلی) کی طرف سے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں ۹ مارچ ۲۰۰۲ کو ایک سیمنار

ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے شرکت کی اور اسلام اور امن کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی کہ آج کی دنیا کو وائلنٹ بم کا خطرہ درپیش ہے۔ اس کا موثر جواب صرف اسپریچول بم سے دیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں انڈیا میں اسپریچول بم بنانے کی ایک فیکٹری قائم کرنی ہوگی۔

۴۵ اجیت پلّائی (Ajith Pillai) نے آؤٹ لُک کے لئے ۱۹ مارچ ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا موضوع تھا: میجارٹی کمیونلزم اور مائینارٹی کمیونلزم میں کیا فرق ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ کمیونلزم ابتدائی درجہ میں ایک فطری امر ہے۔ مگر جب وہ دوسرے کے لئے مضر بن جائے تو وہ قابل اعتراض بن جاتا ہے۔ تاہم دونوں کمیونلزم میں ایک فرق ہے۔ مائینارٹی کمیونلزم بنیادی طور پر دفاعی کمیونلزم ہے جب کہ میجارٹی کمیونلزم بنیادی طور پر جارحانہ کمیونلزم۔

۴۶ مسٹر آفتاب عالم نے اِنر اسٹرنتھ (Inner Strength) کے لئے ۲۰ مارچ ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا موضوع یہ تھا: روحانیت اسلام میں۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلامی روحانیت کوئی پراسرار چیز نہیں۔ وہ ایک شعوری عمل ہے۔ اس کا مختصر فارمولا یہ ہے:

Simple living, high thinking

۴۷ دینک بھاسکر کے نمائندہ سشیل پرمیشری نے ۳۱ مارچ ۲۰۰۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام کی تعلیمات سے تھا۔ وہ اخبار کا ایک مذاہب نمبر چھاپ رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ انٹرویو دیا گیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ انڈیا میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر قسم کے مواقع موجود ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ان مواقع کو حکیمانہ طور پر استعمال کیا جائے۔ حکمت استعمال سے ناواقفیت کی صورت میں خود مسلم ملک میں بھی مواقع کا استعمال ممکن نہیں۔

۴۸ تذکیر القرآن کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب وہ اپنے آخری مرحلہ میں ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی وہ شائع کیا جاسکے گا۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
مطالعۂ سیرت	60.00
اسباق تاریخ	85.00
تعمیر حیات	60.00
تعمیر انسانیت	50.00
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)	95.00
سفرنامہ غیر ملکی اسفار، جلد دوم	125.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	60.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	65.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	60.00
عظمت صحابہ	10.00
دین کامل	80.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	40.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	50.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیۃ	40.00
کاروان ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	35.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	80.00
دین کی سیاسی تعبیر	25.00
عظمت مومن	10.00

اسلام: ایک عظیم جدوجہد	8.00
تاریخ دعوت حق	8.00
مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوال حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	10.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیات اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	25.00
دین کیا ہے؟	10.00
اسلام دین فطرت	20.00
تعمیر ملت	10.00
تاریخ کا سبق	10.00
فسادات کا مسئلہ	8.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	8.00
تعارف اسلام	8.00
اسلام پندرہویں صدی میں	8.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	10.00
اتحاد ملت	10.00
سبق آموز واقعات	10.00
زلزلۂ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	12.00
پیغمبر اسلام	8.00
آخری سفر	10.00
اسلامی دعوت	10.00
حل یہاں ہے	10.00
امہات المومنین	25.00
تصویر ملت	85.00
دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نشری تقریریں	80.00

دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	50.00
طلاق اسلام میں	8.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	10.00
باغ جنت	10.00
نار جہنم	10.00
سچا راستہ	10.00
دینی تعلیم	10.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	10.00
تعدد ازواج	10.00
ہندستانی مسلمان	60.00
روشن مستقبل	10.00
صوم رمضان	10.00
اسلام کا تعارف	8.00
علما اور دور جدید	20.00
سفرنامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	12.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	10.00
یکساں سول کوڈ	10.00
اسلام کیا ہے؟	10.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
منزل کی طرف	10.00
اسفار ہند	125.00
ڈائری ۹۰-۱۹۸۹	100.00
قال اللہ و قال الرسول	70.00
ڈائری ۹۲-۱۹۹۱	90.00
مطالعۂ قرآن	80.00
مذہب اور سائنس	40.00

Al-Risala Book Centre

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110013, Tel.: 4351128, 4351131

تذکیر القرآن

(مکمل، نیا ایڈیشن)

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ : ۴۰۰ روپئے (ہارڈ باؤنڈ)

۲۵۰ روپئے (پیپر بیک)

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی، انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۲۔ کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائگی کی ایک صورت یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۳۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

قارئین سے گذارش: قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اپنے علاقہ کی لائبریریوں کے پتے ہمیں ارسال فرمائیں تا کہ الرسالہ اردو اور ہندی اُن لائبریریوں کو جاری کیا جا سکے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	Rs. 110	ایک سال	$20/£10	$10/£5
دو سال	Rs. 200	دو سال	$35/£18	$18.£8
تین سال	Rs. 300	تین سال	$50/£25	$25/£12
پانچ سال	Rs. 480	پانچ سال	$80/£40	$40/£18

تذکیر القرآن

(مکمّل، نیا ایڈیشن)

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ: ۴۰۰ روپئے

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

Books by Maulana Wahiduddin Khan

Islam Rediscovered	180.00
A Treasury of the Quran	70.00
The Quran for All Humanity	100.00
The Quran: An Abiding Wonder	100.00
The Call of the Qur'an	80.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	180.00
Words of the Prophet Muhammad	70.00
An Islamic Treasury of Virtues	160.00
Islam and Peace	120.00
Introducing Islam	140.00
The Moral Vision	130.00
Principles of Islam	120.00
Indian Muslims	100.00
God Arises	150.00
Islam: The Voice of Human Nature	50.00
Islam: Creator of the Modern Age	100.00
Woman Between Islam and Western Society	160.00
Woman in Islamic Shari'ah	100.00
Islam As It Is	90.00
Religion and Science	80.00
Tabligh Movement	50.00
The Way to Find God	20.00
The Teachings of Islam	30.00
The Good Life	20.00
The Garden of Paradise	30.00
The Fire of Hell	30.00
Islam and the Modern Man	20.00
Uniform Civil Code	20.00
Man Know Thyself	20.00
Muhammad: The Ideal Character	20.00
Polygamy and Islam	20.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	20.00
Search for Truth	20.00
The Concept of God	20.00
The Creation Plan of God	20.00
The Man Islam Builds	20.00
Non-Violence and Islam	20.00
Islamic Fundamentalism	20.00
The Shariah and Its Application	20.00
Spirituality in Islam	20.00
Islamic Activism	20.00
Islam Stands the Test of History	20.00
The Revolutionary Role of Islam	20.00
Islam in History	20.00
Conversion: An Intellectual Transformation	20.00

RNI 28822/76 • U(SE) 12/2002
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/2002